ابو بکر صدیق
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر نعیم مظہر
استاد شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

معاصر آزاد نظم اور عصری حسیت (تین منتخب آوازیں)

Abu Bakar Saddique
Scholar PhD Urdu, NUML, Islamabad.
Dr Naeem Mazhar
Associate Professor, Department of NUML, Islamabad.

Free Verse and Contemporary Sensitivity) Three Selected Voices)

International political and social movements influenced almost every walk of life. Literature in its themes and subjects reflects these influences. Urdu poem also embraces their effects. Urdu poem while adopting the form of free verse speaks for contemporary scenario. We find the effect of International literary movements on Urdu free verse right from the birth. During the last two decade of the twentieth century and the beginning of the twenty first century the great World Wars fought by the imperial powers in the name of peace, had destroyed the world peace. In the ear of globalization these World Wars destroyed the peace at national level, too. The repercussions of civil war and terrorism kept showing up for a long time. A new outlook was adopted to look at the relation with other nations at national and international level. Moreover, human relation at individual level felt the effects. The contemporary poets of free verse led the free verse to such an apex in terms of its theme and technique. Naseer Ahmed Nasir, Ali Muhammad Farshi and Rawish Nadeem are counted as the representative contemporary poets of Urdu free verse.

Key Words: *Free Verse, Contemporary Political and Social Situation, Literary Movements, Literary Scenario, International Imperialism, Civil War, Terrorism.*

انسانی جذبات و احساسات کے اظہار کے لیے شاعری کو ایک اہم وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ خیال کے اظہار اور پیشکش کے لیے مختلف شعری سانچوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بدلتے حالات کے ساتھ اظہار کا سانچہ بھی بدلا اور شاعری نے مختلف ہیئتوں کا روپ دھارا۔ ایسے میں پابند نظم اور معری نظم کے بعد آزاد نظم کو فروغ حاصل ہوا۔ پابند

نظم سے آزاد نظم تک کا سفر اپنے دور کے ادب اور اس پر ہونے والے اثرات کا نتیجہ ہے۔ ہیئتی سطح پر متاثر ہونے کے ساتھ فکری سطح پر بھی نئے موضوعات آزاد نظم کا حصہ بنے۔ دورِ حاضر میں سائنس کی ترقی اور گلوبل وِلیج جیسے ماحول میں کسی بھی ملک یا معاشرے کے لیے باقی دنیا سے الگ اور کٹ کر رہنا ممکن نہیں رہا۔ اجتماعی و انفرادی سطح پر خیال یا سوچ کا متاثر ہونا لازمی امر ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے ارضی فاصلوں کو گھٹاتے ہوئے نئے موضوعات، مسائل اور نئی سوچ کو آج کے فن کار تک پہنچایا۔ دنیا گلوبل ولیج بن گئی ہے اور اب فرد واحد کا مسئلہ اس تک محدود نہیں رہا۔ دنیا کے ایک کونے یا دوسرے برِاعظم میں ہونے والی تبدیلی یا عمل پوری دنیا کو متاثر کرتی ہے۔

عالمی عصری معاملات نے دنیا کی دوسری زبانوں اور ان کے تحت پیدا ہونے والے ادب کو جہاں متاثر کیا وہیں پر اردو زبان و ادب پر بھی معاصر عالمی سیاسی و سماجی حالات و واقعات کے اثرات نظر آتے ہیں۔ عالم گیریت کے اثرات نے ادب کے موضوعات کو نئے فکری زاویے عطا کیے۔ بدلتے سیاسی، نظریاتی اور عالمی حالات نے نئی تحریکات اور رجحانات کے تناظر میں اردو نظم کے موضوعاتی کینوس کو توسیع دی۔ ۷۰ء اور ۸۰ء کی دہائی کے شعرا نے نئے موضوعات اور رجحانات کی طرف توجہ دی تو ان کے بعد معاصر نظم گو شعراء نے اس ذمہ داری کو بطریقِ احسن نبھایا۔

ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کے قیام نے نظم کے نئے رجحانات کو متعارف کروایا جو معاصر نظم کی آبیاری اور بنیاد میں اہم ترین عنصر ہیں۔ معاصر آزاد نظم تک پہنچنے میں راولپنڈی اسلام آباد کے ادبی حلقوں میں میرا جی، راشد، فیض، آفتاب اقبال شمیم اور فہیم جوزی جیسے نامور شعراء کا عمل دخل رہا۔ ڈاکٹر روش ندیم اس متعلق لکھتے ہیں۔

> ”آج کل جدید نظم نگاری کا چوتھا دور جاری ہے۔ اس کا آغاز نوے کی دہائی میں راولپنڈی سے ہوا اور اگلے پندرہ بیس سال میں جدید اور آزاد نظم نگاری کو نئے عہد کا شعری اظہار باور کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس دور میں نئی نسل کے نظم گو شعراء نے نظم کے انفرادی تشخص کو مستحکم کرتے ہوئے تکنیکی، لسانی اور موضوعی سطح پر نئے اضافے کیے۔ آزاد نظم کی ہیئت اس دور میں غالب طور پر جدید نظم کی پہچان بن گئی۔ اس دور میں آزاد نظموں کے جتنے مجموعے سامنے آئے شاید پہلے کبھی نہ آئے تھے۔“(۱)

نصیر احمد ناصر علی محمد فرشی، رفیق سندیلوی، احسان اکبر، داؤد رضوان، روش ندیم، خلیق الرحمٰن، پروین طاہر، وحید احمد، سعید احمد، ارشد معراج، تابش کمال، زاہد امروز اور انوار فطرت نے راولپنڈی اسلام آباد میں آزاد نظم کے معاصر منظر نامے پر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ عصری حسیت رکھنے والے آزاد نظم نگار شعراء اپنے فہم وشعور اور نظریات کا اپنی نظموں میں اظہار کرتے ہیں۔

احتشام علی ادب میں حسیت کی تعریف کرتے ہوئے "حسیت بطور تحریک" کے باب میں لکھتے ہیں۔

> ”اٹھارھویں صدی کے مغربی سیاق میں اگر حسیت کی تعریف کی جائے تو حسیت انسانی ذات کا وہ مظہر قرار پائے گی جس کے ذریعے انسان نہ صرف جمالیاتی سطح پر حواسِ خمسہ کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے بلکہ اخلاقی سطح پر دوسروں کے دکھ درد اور اجتماعی مسائل کا ادراک کر کے اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔ حسیت مندرجہ بالا دو سطحوں پر ایک طرف تو "جنم" سے مملو ہو کر معاشرتی سطح پر فعال ہوتی ہے اور مختلف مظاہر خیر / شر، اچھائی / برائی، ظلم / انصاف کے مابین تفوق کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اور دوسری طرف جمالیاتی سطح پر انسانی جذبات مثلاً خوشی / غمی، غصہ / پیار، نفرت / محبت کا فوری اظہار بہتر طریقے سے کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔“(۲)

معاصر آزاد اردو نظم میں راول پنڈی اسلام آباد کی تین آوازیں عصری حسیت کا اظہار کرتی ملتی ہیں: نصیر احمد ناصر علی عمر فرشی اور روشن ندیم۔

معاصر آزاد نظم میں نصیر احمد ناصر نے اپنے عہد کے فنی و فکری نظمیہ بیانیے کی نمائندگی کرتے ہوئے آزاد نظم کے تشکیلی دور میں عصری حسیت کو فروغ دیا۔ نصیر احمد ناصر نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز ۸۰ء کی دہائی میں کیا۔ پہلے مجموعے کی نظموں میں آنے والے موضوعات نئے شعری مجموعوں میں بدل کر رہ گئے۔ اس ضمن میں احتشام علی لکھتے ہیں۔

> ”نصیر کی نظم نگاری کے منظر نامے میں فطری علامتوں کے ساتھ ساتھ رومانیت کی رو بھی ایک وسیع تناظر میں اپنا ادراک کراتی ہے۔ خصوصاً ان کے ابتدائی شعری مجموعے

پانی میں کم خواب کی نظموں پر رومانیت کی گہری چھاپ ایک مخصوص زاویہ نظر کی عکاسی کرتی ہے۔"(۳)

بعد کے آنے والے شعری مجموعوں میں نصیر احمد ناصر کی فکر اور فن ارتقاء کے عمل سے گزرتے ہوئے نئے عہد کے متقاضی مشاہدے اور تخلیقی شعور کا اظہار کرتے ہیں۔

اکیسویں صدی کا آغاز عالمی سطح پر جنگ اور حملوں سے ہوا۔ گزشتہ صدی کے آخری دو عشروں میں روس اور افغانستان کے درمیان ہونے والی جنگ نے دنیا اور خاص طور پر جنوبی ایشیا کے امن کو برباد کیا اور بعد ازاں نئی صدی کے پہلے قدم پر ہی امریکہ اور افغانستان کے درمیان ہونے والی جنگ سے امن اور سکون کے لیے ہونے والی کوششوں کو دھچکا لگا۔ ۸۰ء کی دہائی سے اب تک افغانستان میں ہونے والی لڑائیوں اور خانہ جنگی کا سب سے زیادہ نقصان افغانستان کے بعد پاکستان کا ہوا۔ پاکستان کے داخلی امن اور معیشت پر اس کے ہونے والے اثرات ملکی سالمیت اور بقا کو تباہی کے دہانے پر لے گئے۔ حمایت میں لکھنے والوں نے باہر کی اس لڑائی کو اندر تک پھیلنے کا موقع فراہم کیا۔ اس اظہار نے ملکی داخلی سالمیت اور معیشت کو خطرناک حد تک پہنچا دیا اور اس پر ان کی توجہ نہ رہی۔ معاشرے میں بدامنی، بے سکونی اور افراتفری کے پس منظر میں موجود حقائق سے چشم پوشی نے معاشرے کو ظاہری و باطنی طور پر مزید کمزور کر دیا۔ جنگ کے محرکات، عالمی و ملکی سیاسی عزائم اور اس سے وابستہ معاشی لالچ اور خواہشات کا اظہار کسی طور نہ کیا گیا۔

نصیر احمد ناصر کی نظموں میں طویل صبر آزما اور خانہ جنگی کے اثرات اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے عوامل کے رد عمل کا اظہار ملتا ہے۔ بارود اور خون کی بو نے معاشرے کے اجتماعی احساس اور خیالات کو متاثر کیا اور باہمی رویوں میں تعصب اور نفرت کی دیوار نے جینا دوبھر کر دیا۔ انسان اپنی حیات اور اقدار سے دور بہت دور ہوتا چلا گیا اور ایک سفر ایسا شروع ہوا کہ جس کی منزل کہیں کھو چکی ہے۔ شعری مجموعے "عرانچی سو گیا ہے" میں مجموعے کے عنوان پر مشتمل نظم حیات انسانی کے اسی سفر اور منزل کی تلاش کی داستان ہے۔

"عرانچی سو گیا ہے
طولانی فاصلوں کی
تھکن سے مغلوب ہو گیا ہے
بس ایک لمبے، کٹے پھٹے

ناتراش رستے پہ چوبی گاڑی
ازل سے یونہی
ابد کی جانب رواں دواں ہے
ذرا سے جھٹکے سے
چرا چراتی ہے جب
تو بوسیدگی کی لاکھوں تہوں میں لپٹا
ہر ایک ذی روح چونکتا ہے۔[۴]

جنگ کے نتیجے میں صرف عمارتیں، سڑکیں اور بازار ہی ختم نہ ہوئے بلکہ رشتے، تعلق اور احساس کا بھی قتل ہوا۔ عالمی استعمار نے اپنی خواہشات کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے لیے ہر وہ قدم اٹھایا کہ جس کا نتیجہ ان کی خواہشات کے لیے ضروری تھا۔

خوابوں کی آڑ میں عصری اذیتوں اور دکھوں کا نوحہ بیان کرتے نصیر احمد ناصر انسان کے اس اجتماعی دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہیں کہ جس کی کسک ایک نہیں لاکھوں زندگیوں کو بے چین کیے ہوئے ہے۔ نصیر احمد ناصر کے خواب اور سفر زندگی کی طرف پلٹنے اور زندگی کو جینے کی ایک خواہش کا دوسرا نام بن گئے ہیں۔ وہ ان خوابوں اور اس کے سفر کی حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ یہ خواب اور یہ سفر اتنی آسان راہوں سے مزین نہیں ہیں۔

"سفر کے خواب میں
آنکھیں کہیں پیچھے رہ جاتی ہیں
چہرے ساتھ چلتے ہیں"[۵]

عصری حسیت کا ادراک لیے "ڈسٹ بن سے موت جھانکتی ہے"، "گدھے پر سواری کا اپنا مزہ ہے"، اور "کہیں ایک رستہ ملے گا" جیسی نظمیں ان کے شعری مجموعے "ملبے سے ملی چیزیں" میں شامل اہم نظمیں ہیں۔

معاصر آزاد نظم کہنے والے شعراء میں علی محمد فرشی کا نام بھی شامل ہے۔ "تیز ہوا میں جنگل مجھے بلاتا ہے"، "علینہ"، "زندگی خودکشی کا مقدمہ نہیں"، "غاشیہ" اور "محبت سے خالی دنوں میں" ان کی نظموں کے مجموعے ہیں۔ علی محمد فرشی کی نظمیں معاصر شعری ادب میں فکری و فنی اعتبار سے عصری حسیت کی نمائندہ نظمیں ہیں۔ موضوعات کے تنوع اور جدت فکر کے علاوہ اسلوب بیان میں بھی معاصر شعری ادب میں ان کی نظمیں اپنی

شناخت رکھتی ہیں۔ فرشی کی نظمیں آہستہ آہستہ قاری پر اپنے رنگ اور اثرات ظاہر کرتی ہیں۔ فرشی کی نظم کو صرف پڑھ لیناہی کافی نہیں ہے بلکہ اپنے اسلوب اور موضوع کے ساتھ ان کی نظم قاری پر گزر جاتی ہے نظم میں موجود امیجز نظم کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ دیکھنے کے مقام تک لے جاتے ہیں۔ عصری فکری و فنی عناصر کو نبھاتی علی محمد فرشی کی نظم ان تمام موضوعات کا احاطہ کرتی ہے کہ جو عالمی و ملکی مسائل اور محرکات کا نتیجہ ہیں۔ عالمی استعماری قوتیں طاقت میں اضافے، وسائل پر قبضے کے لیے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا افغانستان اور عراق پر حملہ، اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے مسائل، تباہی و بربادی کی داستانیں اور مظلوم کا نوحہ کہتی فرشی کی نظمیں عصری حسیت اور تخلیقی شعور کی دلیل ہیں۔ انسانی حقوق کے نعرے کو بنیاد بنا کر امریکہ نے عراق پر حملہ کیا اس کے پس پردہ سیاسی و معاشی عزائم کی نشاندہی کرتے ہوئے علی محمد فرشی لکھتے ہیں:

"تو نہیں جانتا ریت کی پیاس کو
ریت کی بھوک کو
ریت کی بھوک ایسی کہ جس میں سما جائیں
لوہا اگلتے پہاڑوں کے سب سلسلے
پیاس ایسی کہ جس میں اتر جائیں
سارے سمندر
ترے آنسوؤں کے!
مگر تیرے آنسو ٹپکنے میں کچھ دیر ہے
دیر کتنی لگتی
ہاتھوں کی قطاروں کو
زیر زمیں
تیل اور تار بننے کی میعاد سے خوب واقف ہے تو
تو اسی تیل کی بو پہ پاگل ہوا
اور دھمکتا دھڑپتا ہوا
آ گیا ریت کے راج میں

وقت کے آج میں"[۶]

جدید سائنسی دور میں انسانی سوچ کئی نئے زاویوں کو پرکھتی ہوئی زندگی کے منظر نامے پر رائے دینے کی اہل ہوئی ہے۔ جدید عہد میں انسانی اقدار اور اس سے جڑے ہوئے سوالات نئے جوابات کے متقاضی ہیں۔ انسانی سوچ نئی پیدا ہونے والی صوتِ حال کا سامنا کر رہی ہے۔ انسان ہی انسان کا خدا بن رہا ہے اور انسان ہی انسان کے خدا ہونے پر ناقد بھی ہے۔ علی محمد خوشی کی نظم "علینہ" کے چھٹے منظر میں انسان کی سوچ اور اس کے اردگرد کے بدلتے ہوئے تناظر پر 'علینہ' کا کردار ہنستا ہے اور اسی منظر کے اگلے حصے میں وہ انسان کی اس خدائی دعوؤں کو فانی اور غیر حقیقی قرار دیتا ہے۔ چھٹے منظر کا آغاز ہوتا ہے۔

"علینہ!
تجھے میں نے
سہ منزلہ وقت کی سیڑھیوں پر
چہکتی ہوئی حیرتوں کے جلو میں گھری
مسکراتی ہوئی
آرزو کی طرح دیکھ کر
اپنے ہاتھوں کی بے آب
بجھتی لکیروں کو دیکھا تھا۔[۷]

اور اس طویل نظم میں اس منظر کا اختتام یوں ہوتا ہے۔

"سہ منزلہ وقت کی سیرھیوں پر
تنے آسمان پہ
پھیلے ہوئے بادلوں میں
مہکتی ہوئی آرزو مسکراتی ہے
گاتی ہے
"پانی ہے! پانی ہے! پانی ہے!

موجوں کی اٹکھیلیاں زندگانی ہے
ورنہ تو سب رائیگانی ہے
فانی ہے! فانی ہے! فانی ہے! فانی ہے!" (۸)

عصری صورتِ حال نے انسان کی بقا کے علاوہ انسانی فکر پر بھی سوال اُٹھائے ہیں۔ استعماری قوتوں نے فکر کو بھی یرغمال بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور علی محمد فرشی کے ہاں ان قوتوں کے اختیارات کو چیلنج کرتے ہوئے انسانی جسم و عقل کے بقا کی کوشش نظر آتی ہے۔ علی محمد فرشی کی نظموں میں اسی عصری صورتِ حال کی موجودگی سے متعلق طارق ہاشمی لکھتے ہیں۔

"علی محمد فرشی نے اپنی نظموں "تماشائی حیرت زدہ رہ گئے"، "خدا کی موت کے بعد"، بارود گھر"، اور "جڑواں سوالات کی موت" میں عصری صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہوئے جہاں استعماری قوتوں کے کے خدا بننے کے زعم کو نشانہ تعریض بنایا گیا ہے۔ وہاں "اساس" ایسی نظم اسی صورتِ حال کے پس منظر میں انسان کے فکری ارتقاء پر تمثیلی پیرائے میں لکھی گئی ہے۔"(۹)

خرابی اور غلطی کی نشاندہی کرنا نسبتاً آسان عمل ہے اور اس کے اصل تک پہنچنا اور اس کی اصلاح کی آواز بلند کرنا مشکل ترین عمل ہے۔ معاشرتی سطح پر انسانی سوچ کو مفلوج بنانے کی سب سے بڑی کوشش استعماری قوتوں کو قرار دینا اور استعماری قوتوں کے آلہ کار اور نمائندوں کی نشاندہی بھی ضروری ہے۔ ان حقیقتوں سے پردہ اٹھاتی روش ندیم کی نظمیں معاصر آزاد نظم میں استعماری قوتوں کے خلاف نعرہ بغاوت اور احتجاج کی علامت نظمیں ہیں۔ روش ندیم" بچھڑے کے پجاری" کہہ کر پکارتے ہوئے ایک نظم میڈیا کے لیے کہتے ہیں

" کبھی کلی کی حسین چیخ کو وہ اک بِگ بینگ کہہ رہا ہے
کبھی قیامت کے سانحے کو ذرا سی آہٹ بتا رہا ہے
خموش لوگو!
یہ کس کو تم سب نے عہد نو کا رسول مانا ہوا ہے جو کہ
الٰہیت کا سفیر بھی ہے
تو شیطنت کا ہے ترجمان بھی

حسیں صبحوں کا رام بھی ہے
سیاہ راتوں کا راکشس بھی
اسی کے ہاتھوں میں تازیانہ
اس کے ہاتھوں میں پھول دستہ
نہ کوئی کعبہ
نہ کوئی قبلہ
یہ کس خدا کا پیامبر ہے؟
جو جھوٹی آیات کے بہانے خموش لوگوں کو لوٹتا ہے۔"(۱۰)

میڈیا کے ذریعے انسانی سوچ پر حملہ اور رائے بدلنے کی کوشش موجود قومی و بین الاقوامی صورتِ حال کی عکاسی ہے۔ وہ تمام مفکر، دانشور، فلسفی اور لکھاری جو اس ساری صورتِ حال پر خاموش ہیں اور ان قوتوں کے ہاتھوں قلم کا سودا کیے ہوئے ہیں یا کھلونا بن چکے ہیں ان پر اور ان کی مفلوج اور مغلوب فکر کو نشانہ بناتے ہوئے روش ندیم اپنی نظم "احتجاج کی نئی بوطیقا۔۔۔ا" میں لکھتے ہیں۔

لعنت ہو تم پر!
تم سے تو وہ کسان اچھا ہے
جس نے ڈبلیو ٹی او کے اجلاس پر احتجاجاً خود کشی کر لی تھی
لیکن تمھیں کیا!
لوگ اپنی ڈگریاں جلائیں
اپنے بچوں سمیت دریاؤں میں کود جائیں
یا بھرے چوک میں خود سوزیاں کریں
تمھیں کیا!
تم لکھو آفاقیت کی حامل غزلیں، تجرید بھرے افسانے
اور چھپواتے پھرو لفظی بازی گری سے مزین نظمیں

اور خوشامد بھری تنقیدیں"[۱۱]

روش ندیم معاشرتی حقیقتوں کو بے نقاب کرتے ، دانشورانِ ملت اور صاحب الرائے مفکرین کے کرداروں کی حقیقت کو بیان کرتے مقامی و بین الاقوامی عصری حسیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ انسانی فکر اور سوچ کا مغلوب ہو جانا یا ارتقاء کے سفر سے منکر ہو جانا انسانی کی سب سے اذیت ناک موت ہے۔ اس کے ذمہ دار وہ تمام اہل علم ہیں کہ جو اس منصب پر براجمان ہیں۔ "احتجاج کی نئی بوطیقا۔۔۔۲" اسی سلسلے کی اگلی نظم ہے جس میں ان کرداروں کو عیاں کرتے ہیں۔ اس نظم میں ان دانشوروں اور شعراء کی خاموشی پر طنز کرتے ہیں کہ جب امریکہ معصوم لوگوں کی جان لے رہا تھا، خود کش حملہ آور انسانوں کی زندگی سے کھیل رہے تھے اور فلسطینیوں پر اسرائیل کی طرف سے مظالم ڈھائے جا رہے تھے تو اس وقت تم سب ادب میں سیاست اور مقصد کے نکالے جانے کی قرار دادیں منظور کر رہے تھے ۔ عصری حالت سے آگاہی رکھنے والا اور احساس کے ساتھ زندہ رہنے والا کسی طور بھی ایسے موقع پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ افغانستان پر امریکہ کا حملہ، انسانی جانوں کا ضیاع اور بچ جانے والوں کے دکھ ایسی دیمک ہے جو ایک حساس اور تخلیق کار شخص کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتے ہیں۔

"خدائے پاک کی مرضی
جلال آباد کے مرد مجاہد، صاحب ایماں و دیں
یعنی زمیں گل خان کی بیوہ!!
یہ کچھ برس پہلے
سنا ہے
جب وہ اپنی عمر کے بس ۱۴ اویں زینے پر اتری تھی
فضا بارود کی اک اجنبی سی باس پہ حیراں تھی
اور پوستیں بھولوں پہ پیلے موسموں کا رنگ چھایا تھا
خدائے پاک کی مرضی
فقط اک رائیگانی
درد کی کہنہ کہانی ہے"[۱۲]

معاصر آزاد نظم نگاروں میں روش ندیم کا لب و لہجہ اور اسلوب انہیں ممتاز کرتا ہے۔ روش ندیم کی نظموں میں احتجاج کے اس طرز اظہار، اسلوب اور لہجے سے متعلق طارق ہاشمی لکھتے ہیں۔

"روش ندیم نے اپنی نظموں میں احتجاج کی نئی بوطیقا تشکیل دی ہے اور درد کی شعریات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے کردار بھی معاشرے کے بعض تلخ حقیقتوں اور محض معاملات ادراک کے بعد اپنی نفرت بھرے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔"(۱۳)

"ادھ پکی خوبانیاں"، "ادھورے خواب کا نوحہ"، "کنوارے شہر کی لڑکیاں"، "تاریخ شرارت کرتی ہے"، "سوچوں کے ہینگر پر ٹنگی نظمیں"، "نقطہ انجماد سے گرا وقت"، "دیارِ خواب میں ایک دن" اور "باب ازل کا اگلا ورق" کے عنوان سے شامل ان کے پہلے شعری مجموعے "ٹشو پیپر پر لکھی نظمیں" میں شامل نظمیں روش ندیم کی سماجی اور ادبی صورتِ حال اور عصری حسیت کا فکری احاطہ کرتی نظمیں ہیں۔

معاصر آزاد نظم کے منظر نامے میں شامل تینوں نام فکری و فنی اعتبار سے عصری حسیت کے اظہار کے نمایاں نام ہیں۔ نصیر احمد ناصر کی نظر اور اسلوب اسی کی دہائی کی روایت کو نبھاتے ہوئے خیال کے اظہار کی نمائندگی ہے۔ علی محمد فرشی متنوع موضوعات اور فکری وسعت کے اظہار میں اسلوب کے نئے تجربات اور اظہار کے نئے وسائل کے طریق کے امین ہیں۔ روش ندیم کے ہاں معاصر جدید نظم کے فکری، تکنیکی و اسلوبیاتی تنوع اور اظہار کی نمائندگی نظر آتی ہے۔ سوچ، موضوع اور اظہار کی تلخ نوائی اس کرب اور اذیت کی نشاندہی ہے کہ جس سے معاصر فن کار دن رات نبرد آزما ہے۔

حوالہ جات

۱۔ روش ندیم، ڈاکٹر، آزاد نظم، تعارف، تاریخ اور صورت حال، مشمولہ، دریافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد، شمارہ ۱۰، جنوری ۲۰۱۱ء، ص، ۳۷۸

۲۔ احتشام علی، جدید اردو نظم میں عصری حسیت، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص، ۱۷

۳۔ روش ندیم، ڈاکٹر، آزاد نظم، تعارف، تاریخ اور صورت حال، ص، ۲۱۶

۴۔ نصیر احمد ناصر، عرا پچی سو گیا ہے، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۳ء، اشاعت سوم، ص، ۳۱

۵۔ نصیر احمد ناصر، پانی میں گم خواب، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، جنوری ۲۰۱۳ء، اشاعت دوم، ص، ۱۳

۶۔ علی محمد فرشی، غاشیہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۴ء، ص، ۸۶

۷۔ علی محمد فرشی، علینہ، حرف اکادمی، راولپنڈی، ص، ۳۰

۸۔ ایضاً، ص، ۳۴

۹۔ طارق ہاشمی، اردو نظم اور معاصر انسان، پورب اکادمی، اسلام آباد، فروری ۲۰۱۵ء، ص، ۲۰۴

۱۰۔ روش ندیم، دہشت کے موسم میں لکھی نظمیں، القاعدہ پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۴، ص، ۵۶

۱۱۔ ایضاً، ص، ۸۳

۱۲۔ ایضاً، ص، ۱۱

۱۳۔ طارق ہاشمی، جدید نظم کی تیسری جہت، شمع بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۴، ص، ۲۲۶